عورت کی قرآنی تصویر ۔ ۲

ڈاکٹر سید حسن الدین احمد
پیوریا ۔ الینآئے ۔ امریکا

(گزشتہ سے پیوستہ) ایک اور فطری کمزوری جسکی طرف قرآن نے هماری توجہ مبذول کی ہے وہ قرض کے لین و دین کی شہادت میں عورتوں کی بھول چوک ہے:

فَإِن لَّمْ يَكُونَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَامْرَأَتَانِ مِمَّن تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ أَن تَضِلَّ إِحْدَاهُمَا فَتُذَكِّرَ إِحْدَاهُمَا الأُخْرَىٰ (البقرہ ۲: ۲۸۲)
(اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں ہوں تا کہ ایک بھول جائے تو دوسری اسے یاد دلادے)

آیت کے اس حصے سے بظاہر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ دوعورتوں کی گواہی ایک مرد کی گواہی کے برابر ہے لیکن درحقیقت ایسا نہیں ہے ۔ پہلے یہ سمجھہ لینا چاہیے کہ گواہی دینا ایک بہت بڑی ذمے داری کا کام ہے ۔ گذرے ہوئے حالات اور واقعات کے بیان میں کمی و بیشی ہوجانے سے ایک بے قصور یا مستحق انسان کسی بھاری نقصان سے دوچار ہوسکتا ہے اور اس طرح ایک گواہ دانستہ یا نا دانستہ بڑے ظلم کا ارتکاب کر بیٹھتا ہے:

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّن كَتَمَ شَهَادَةً عِندَهُ مِنَ اللهِ (البقرہ ۲: ۱٤۰)
(اس شخص سے بڑا ظالم اور کون ہو گا جس کے ذمے اللہ کی طرف سے ایک گواہی ہو اور وہ اسے چھپائے؟)

هم یہ بھی جانتے ہیں کہ قوانین شهادت کے تحت گواہی جھوٹی ثابت ہوجانے پر گواہ خود سزا کا مستحق ہوجاتا ہے ۔ اب اگر غور کیا جائے تو یہ بات سمجھنا مشکل نہیں کہ قرآن نے دراصل ایک دوسری عورت کی گواہی بھی شامل کرکے پہلی عورت پر گواہی کے بوجھ کو ہلکا کیا ہے۔ پہلی عورت کی گواہی میں بھول چوک کی وجہ سے اگر کچھہ کمی یا بیشی ہوتی ہے تو دوسری عورت اسکو اسکے بیان میں اصلاح کرکے جھوٹی گواہی کی سزا سے بچا لیتی ہے ۔ یہ کہا جاسکتا ہے کہ بھول چوک تو مرد سے بھی ہو سکتی ہے پھر مرد کو یہ سہولت کیوں نہیں دی گئی؟ اللہ کے حکم میں کیا حکمت پوشیدہ ہے اسکا صحیح علم تو اللہ ہی کو ہے لیکن انسان ہر حکم کی حکمت اور علت کی تلاش میں رہتا ہے ۔ تو آیے دیکھیں کہ انسانی مشاهدات ، تجربات ، علم اور سائنس کے مطابق دوعورتوں کی شهادت میں کیا حکمت ہوسکتی ہے ۔ هم جانتے ہیں کہ عورت پرماهانہ جو حیاتیاتی دور گذرتا ہے وہ مرد پر نہیں آتا ۔ عورت هر ماہ حیض اور ما قبل حیض کے تکلیف دہ دور سے گذرتی ہے اور یہ مدت چار یا پانچ دن سے لیکر اٹھارہ یا بیس دن کی ہوسکتی ہے ۔ یہ دور اسکی بیماری اورتکلیف کا دور ہوتا ہے جسمیں قدرت اسکو الآئشوں سے پاک کرتی ہے ۔ قرآن کہتا ہے:

وَيَسئَلُونَكَ عَنِ المَحِيضِ قُل هُوَ أَذًى (البقرہ ۲: ۲۲۲)
(پوچھتے ہیں حیض کا کیا حکم ہے؟ کہو وہ ایک تکلیف کی حالت ہے)

اب یہ اذی کیا ہے؟ اذی کے لغوی معنے بیماری ، زخم ، تکلیف اور چڑچڑاپن وغیرہ ہیں ۔ گویا عورت ان سب تکالیف سے گذرتی ہے ۔ اسکی زندگی اگر اوسط عمر کی ہے تو تکلیف کا یہ دور اس پر عموما" بارہ سال سے شروع ہوکر چالیس سے پینتالیس سال کی عمر تک رہتا ہے ۔ اس طرح اسکی پوری جوانی اور ادھیڑ عمر کا بیشتر حصہ اس حیض اور ما قبل حیض کی تکلیف اور بیماری کا شکار رهتا ہے ۔ اب اسکی اس بیماری کے اثرات اسکی یادداشت اور ذهن پر کیا پڑتے ہیں؟ اسکا جواب هم ایک ماهر نفسیات مسٹر شریوز کے تجربات اور مشاهدات پر مبنی مقالے سے بآسانی حاصل کرسکتے ہیں ۔ یہاں هم اسکے مقالے کے ایک اقتباس کا ترجمہ پیش کرتے ہیں:

"عورتوں کی حیاتیاتی سائیکل میں حیض سے قبل ہی انکی یادداشت اور ذہنی قوت کے ارتکاز میں کمی آجاتی ہے ۔ اور تقریبا" ۸۰ (اسّی) فی صد عورتیں اپنی اس کیفیت سے واقف ہوتی ہیں ، ٤۰ (چالیس) فی صد اس سے کافی متاثر ہوتی ہیں اور دس سے بیس فی صد عورتیں اسکی وجہ سے خاصی بیمار ہوتی ہیں" ۔
اسکے لیے دیکھیے:

[5]. C. Shreeves, Pre-menstruation Syndrome, *Psychiatry in Practice*, May 1987, p. 18

اس ساری بحث کا مقصد یہ بتانا تھا کہ عورت اپنی فطری ساخت اور عمل کی بنا پر اکثر و بیشتر ایسی بیماری سے دوچار ہوتی رہتی ہے جو اکثر اوقات اس کی یادداشت اور ذہن پر کافی اثر انداز ہوتی ہے ۔اب یہ کہاں کی دانشمندی ہے کہ اگر کسی عورت نے اپنی اس تکلیف یا بیماری کے دوران کوئی بات سنی یا دیکھی ہے تو اس سے یہ توقع کی جائے کہ وہ اسے اسی طرح بجنسہ یاد رکھے گی جس طرح کہ مرد کو یاد رکھنا چاہیے ۔ اسی طرح یہ سمجھنا بھی کہاں کی عقلمندی ہے کہ ایک عورت اپنی اس تکلیف یا بیماری کے دوران شہادت دیتے ہوئے کوئی بات نہ بھولے گی؟ چنانچہ اگرایک عورت باتیں بھول جاتی ہے اور کوئی دوسری عورت اسکی مدد کردیتی ہے تو اس سے نہ تو کسی عورت کی تذلیل ہوتی ہے اور نہ ہی وہ مرد سے کمتر ہوجاتی ہے ۔ بلکہ یہ تو ایک سہولت ہے جو قرآن نے مرد کے مقابلے میں عورت کو عطا کی ہے ۔ ع
سمجھے نہ ھم تو فہم کے اپنے قصور تھا

دراصل اللہ تواپنی ہر تخلیق کی فطرت سے واقف ہے اور اس پر اتنا ہی بوجھہ ڈالتا ہے جتنا وہ سہار سکتی ہے:

لاَ يُكَلِّفُ اللهُ نَفسًا إلاَّ وُسْعَهَا ۚ (البقرہ ۲: ۲۸٦)
(اللہ کسی متنفس پر اسکی مقدرت سے بڑھ کر ذمہ داری کا بوجھہ نہیں ڈالتا)

(ہ) فرائض و عبادات: عورت اور مرد دونوں اللہ کے سامنے اپنے اپنے اعمال کے جواب دہ ہیں اور اللہ دونوں ہی کو انکے اچھے اعمال کا اجرعطا فرمائیگا ۔ قرآن اسی بات کو مختلف جگہوں پر مختلف انداز میں بیان کرتا ہے ۔ ایک جگہ فرمایا:

فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ أَنِّى لاَ أُضِيعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنكُم مِّن ذَكَرٍ أَوْ أُنثَىٰ ۖ بَعْضُكُم مِّنْ بَعْضٍ ۖ (آل عمران ۳: ۱۹۵)
(جواب میں انکے رب نے فرمایا " میں تم میں سے کسی کا عمل ضائع کرنے والا نہیں ہوں ، خواہ مرد ہو یا عورت ۔ تم سب ایک دوسرے کے ھم جنس ہو)

ا سی طرح سورۃ الاحزاب کی آیت نمبر ۳۵ میں ان دونوں کے اچھے اعمال کا ساتھہ ساتھہ تذکرہ کرتے ہوئے دونوں سے اجر عظیم کا وعدہ کیا ہے (مزید دیکھیے النسآء ۹۸ ،غافر ٤۰ اور الفتح ۲۵) ۔
قرآن مردوں کی طرح عورتوں پر بھی عبادات کی ذمہ داری ڈالتا ہے ۔ اگروہ مردوں کو

وَارْكَعُوا مَعَ الرَّاكِعِينَ ○ (البقرہ ۲: ٤۳)
(اور جو لوگ میرے آگے جھک رہے ہیں انکے ساتھہ تم بھی جھک جاؤ)

کے تحت باجماعت نماز کی تلقین کرتا ہے(اس تشریح کے لیے دیکھیے معارف القرآن ، جلد اول) تو کیا وہ

وَارْكَعِى مَعَ الرَّاكِعِينَ ○ (أل عمران ۳: ٤۳)
(اور(اے مریم) جو بندے اسکے حضور جھکنے والے ہیں انکے ساتھہ تو بھی جھک جا)

کہہ کر عورتوں کو بھی نماز باجماعت کی تلقین نہیں کرتا؟ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا کہ اللہ کی بندیوں کو مسجد جانے سے منع نہ کرو (عبداللہ بن عمر ۔ بخاری)؟
وہ دعوت کا کام ہو یا امر بالمعروف و نہی عن المنکرکا ، اقامت صلات و ایتائے زکات کا ہو یا اللہ اور رسول کی اطاعت کا قرآن جہاں یہ فرائض مردوں پر عائد کرتا ہے وہیں یہ سارے فرائض عورتوں پر بھی

عائد کرتا ہے ۔ اور وہ ان دونوں کو ان فرائض کی ادائیگی میں ایک دوسرے کے ساتھی اور مددگار گردانتا ہے:

وَالمُؤْمِنُونَ وَالمُؤمِنَاتُ بَعْضُهُم أَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۚ يَأمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ المُنكَرِ وَ يُقِيمُونَ الصَّلَوٰةَ وَ يُؤْتُونَ الزَّكَوٰةَ وَ يُطِيعُونَ اللهَ وَرَسُولَهُ ۚ (التوبہ ۹: ۷۱)
(مومن مرد اور مومن عورتیں ، یہ سب ایک دوسرے کے رفیق ہیں ، بھلائی کا حکم دیتے اور برائی سے روکتے ہیں ، نماز قائم کرتے ہیں ، زکات دیتے ہیں اور اللہ اور اسکے رسول کی اطاعت کرتے ہیں) (مزید دیکھیے آل عمران ۱۰٤ اور ۱۱۰ ، الاحزاب ٣٦)

جہاں عورت اپنے اچھے اعمال اور فرائض کی ادآئیگی پر انعام کی حقدار ہے وہیں وہ اپنے برے اعمال کی جواب دہ بھی ہے اوروہ خود اسکی سزاوار ہے ۔ مثلا" اگر زنا میں ملوث پائی گئی تو مرد کی طرح اسکو بھی سزا ملے گی:
الزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ ۖ (النور ٢٤: ٢)
(زانیہ عورت اور زانی مرد ، دونوں میں سے ہر ایک کو سو کوڑے لگا ؤ)

اسی طرح عورت اگر چوری کرے گی تو مرد ہی کی طرح اسکو بھی ہاتھ کاٹنے کی سزا ملے گی (المآئدہ٥: ٣٨) ۔ اسی طرح قتل وجروح میں قصاص کی سزا اس پر بھی نافذ ہوگی ۔ فرمایا:

كُتِبَ عَلَيكُمُ القِصَاصُ فِي القَتْلَى ۖ الْحُرُّ با لحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالأُنثَىٰ با لأُنثَىٰ ۚ (البقرہ ۲: ۱۷۸)
(تمہارے لیے قتل کے مقدموں میں قصاص کا حکم لکھ دیا گیا ہے ۔ آزاد آدمی نے قتل کیا ہے تو اس آزاد ہی سے بدلہ لیا جائے ، غلام قاتل ہو تو وہ غلام ہی قتل کیا جائے ، اور عورت اس جرم کی مرتکب ہو تو عورت ہی سے قصاص لیا جائے)

یہاں یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ قرآن کوڑے لگانے اور ہاتھ کاٹنے کی سزائیں دیتا ہے ۔ ہمارا زیر مطالعہ موضوع عورت ہے اور ہم یہ بتارہے ہیں کہ قرآن سزا اور جزا میں خواہ یہ جیسے بھی ہوں عورت اور مرد دونوں کو برابر قرار دیتا ہے ۔ اب رہ گئی بات خود سزا کی اپنی موزونیت تو یہ ہمارے مطالعے کا موضوع نہیں ہے ۔ البتہ یہاں یہ بات سمجھ لینا مناسب ہوگا کہ اس وقت دنیا میں جہاں جہاں بھی معاشرے کی اصلاح اور اسکو مہذب بنانے کے لیے لادینی انسانی قوانین نافذ ہیں جیسے یورپ ، امریکا اور بھارت وغیرہ میں جو بزعم خود دنیا کو مہذب بنانے میں لگے ہوئے ہیں انہی معاشروں میں اقوام متحدہ کی تیار کردہ شماریات کے مطابق زنا ، قتل اور چوری وغیرہ جیسے جرائم کی تعداد سب سے زیادہ ہیں ۔ اب ہم یہی کہہ سکتے ہیں کہ ع
دامن کو ذرا دیکھ ذرا بند قبا دیکھ

اور جہاں قرآنی قوانین نافذ ہیں جیسے سعودی عرب تو وہاں ایسے جرائم کی تعداد سب سے کم ہے ۔

بحیثیت عورت:

(الف) اصلاح معاشرہ: قرآنی احکامات کے تحت عورت کا معاشرے میں کیا مقام ہے؟ اسکو آسانی سے سمجھنے کے لیے بہتر ہے کہ پہلے مختصرا" ہم اسکا مطالعہ کر لیں کہ جس زمانے میں قرآن نازل ہوا اس زمانے میں عورت کی معاشرے میں کیا حیثیت تھی؟ ہم نے اس سے پہلے ہندووں کے سماج ، بائبل کی تعلیم اور تہذیب جدید میں عورت کی حیثیت کا کچھ مطالعہ کیا ہے ۔ کم و بیش عورتوں کی یہی حالت عرب کے دور جاہلیت میں بھی تھی ۔ بلکہ کچھ زیادہ ہی گری ہوئی تھی ۔
مرد زبردستی عورتوں کے جسم ومال کے وارث بھی بن بیٹھتے تھے۔ نہ صرف یہ کہ بہت ہی بے شرمی کے ساتھ سوتیلی ماؤں کے ساتھ ازدواجی تعلقات قائم کرلیتے تھے بلکہ انکے مال اور انکے مہر تک ہڑپ کرجاتے تھے ، جیسا کہ قرآن نے فرمایا:

يـٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ ءَامَنُوا لاَ يَحِلُّ لَكُمْ أَن تَرِثُوا النِّسَآءَ كَرْهًا ۖ وَلاَ تَعْضُلُوهُنَّ لِتَذْهَبُوا بِبَعضِ مَآءَاتَيْتُمُوهُنَّ (النسآء ٤: ١٩)

(اے لوگو جو ایمان لائے ہو تمہارے لیے یہ حلال نہیں ہے کہ زبردستی عورتوں کے وارث بن بیٹھو ۔ اور نہ یہ حلال ہے کہ انھیں تنگ کرکے اس مہر کا کچھہ حصہ اڑالینے کی کوشش کرو جو تم انھیں دے چکے ہو)

تہذیب جدید میں بھی مردوں کو انکی سوتیلی ماؤں کے ساتھہ شادی کی عام اجازت ہے ۔ بھارت کی ہندو تہذیب میں تو ایسی مثال بھی ملتی ہے جہاں ماموں نے بھانجی کے ساتھہ آزادانہ شادی کرلی ۔
ایک اور ذلت جو عورتوں پر مسلط کردی گئی تھی وہ یہ تھی کے کنیزوں اور لونڈیوں سے زبردستی پیشہ کرایا جاتا تھا تا کہ دولت کمائی جاسکے ۔ قرآن نے اسکو ممنوع قرار دیا:

وَلاَ تُكْرِهُوا فَتَيَـٰتِكُمْ عَلَى الْبِغَآءِ إِنْ أَرَدْنَ تَحَصُّنًا لِّتَبْتَغُوا عَرَضَ الْحَيَـٰوةِ الدُّنْيَا ۚ
وَمَن يُكْرِههُّنَّ فَإِنَّ اللهَ مِنۢ بَعْدِ إِكْرَاهِهِنَّ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ○ (النور ٢٤: ٣٣)
(اور اپنی لونڈیوں کو اپنے دنیوی فائدوں کی خاطر قحبہ گری پر مجبور نہ کرو جبکہ وہ خود پاک دامن رہنا چاہتی ہوں ۔ اور جو کوئی انکو مجبور کرے تو اس جبر کے بعد اللہ انکے لیے غفور و رحیم ہے)

اس آیت کے آخری حصے سے همیں یہ سبق ملتا ہے کہ اگر کسی عورت کو زبردستی زنا پر مجبورکیا جائے تو وہ عورت اللہ کے نزدیک بے قصور ہے لهذا وہ زنا کے الزام سے بری ہے۔ تہذیب جدید میں توآزاد جوان لڑکیوں اور عورتوں کو ہوٹلوں اور کلبوں میں ملازم رکھا جاتا ہےجہاں وہ گاہکوں کو خوش کرنے کے لیے ان سے ازدواجی تعلقات قائم کرنے کا کام کرتی ہیں ۔ اور فحش باتوں کی فلم بندی کے لیے بھی عورتوں کوکرایے پررکھا جاتا ہے ۔ یہ سارے کام اکثر برضا و رغبت اور بعض اوقات بلیک میلنگ کے تحت انجام پاتے ہیں ۔ گویا نام نہاد تہذیب جدید نےعورتوں پر مظالم کے وہ تمام طریقے اختیار کر لیے ہیں جو زمانہ جاہلیت میں رائج تھے ۔
ایک ظلم یہ کیا جاتا تھا کہ بیوی کو ماں کہکر اسکو طلاق دیجاتی تھی اور اسے الگ کردیا جاتا تھا ۔ اس عمل کو ظہار کہا جاتا تھا ۔ اللہ نے اس عمل پر سخت اظہار ناراضگی کیا ہے:

الَّذِينَ يُظَـٰهِرُونَ مِنكُم مِّن نِّسَآئِهِم مَّا هُنَّ أُمَّهَـٰتِهِمْ ۖ إِنْ أُمَّهَـٰتُهُمْ إِلاَّ الَّـٰٓئِ وَلَدْنَهُمْ ۚ
وَ إِنَّهُمْ لَيَقُولُونَ مُنكَرًا مِّنَ الْقَولِ وَزُورًا ۚ (المجادلہ ٥٨: ٢)
(تم میں سے جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کرتے ہیں انکی بیویاں انکی مائیں نہیں ہیں ۔ انکی مائیں تو وہی ہیں جنھوں نے انکو جنا ہے ۔ یہ لوگ ایک سخت ناپسندیدہ اور جھوٹی بات کہتے ہیں) (مزید دیکھیے الاحزاب ٤)

مختصر یہ کہ عورت کو مردوں کی طرح نہ کوئی آزادی حاصل تھی اور نہ ہی اسکے کچھہ حقوق تھے ۔ عزت نفس اور خودی نام کی کوئی چیز اس میں باقی نہ تھی ۔ زنا ، جھوٹ ، مکر، چوری، بہتان تراشی اور اسی طرح کی دیگر خرابیاں عورتوں کی زندگی کے لازمی اجزا بن گئے تھے اور شرک و جاہلیت کے معاشرے نے ایک طرح سے ان خرابیوں کو عورتوں کی خصلت سمجھہ کرقبول کیا ہوا تھا ۔ اسکے برعکس مدینے میں اسلام نے عورت کو مردوں کے برابر آزادی اور حقوق دیے ہوئے تھے اور انکے کردار کو ایسے جرائم سے پاک کیا ہوا تھا اور ہم نے دیکھا ہے کہ ان جرائم پر انکو بھی مردوں ہی کی طرح سزاوار گردانا جاتا تھا ۔ اسی لیے شرک و جاہلیت کی عورت جب ایسی برائیوں کا ٹھپہ لیے ہوئے اپنے ماحول سے نکل کر مسلمان بن کر مدینے کی اسلامی ریاست کی شہریت حاصل کرنا چاہتی تھی تواسکی کردار سازی کے لیے اس سے یہ حلف لیا جاتا تھا کہ وہ ان برائیوں سے اجتناب کرے گی جو جاہلی زندگی میں عمومی طورپر عورتوں میں رائج تھیں ۔ یہی وہ پس منظر ہے جس کے تحت قرآن کہتا ہے:

يَـٰٓأَيُّهَا النَّبِىُّ إِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنَاتُ يُبَايِعْنَكَ عَلَىٰٓ أَن لاَّ يُشْرِكْنَ بِاللهِ شَيْئًا
وَلاَ يَسْرِقْنَ وَلاَ يَزْنِينَ وَلاَ يَقْتُلْنَ أَوْلاَدَهُنَّ وَلاَ يَأْتِينَ بِبُهْتَانٍ يَفْتَرِينَهُ بَيْنَ أَيْدِهِنَّ
وَ أَرْجُلِهِنَّ وَلاَ يَعْصِينَكَ فِى مَعْرُوفٍ فَبَايِعْهُنَّ وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللهَ ۖ (الممتحنة ٦٠: ١٢)
(اے نبی جب تمہارے پاس مومن عورتیں بیعت کرنے کے لیے آئیں اور اس بات کا عہد کریں کہ وہ اللہ کے ساتھہ کسی چیز کو شریک نہ کریں گی ، چوری نہ کریں گی ، زنا نہ کریں گی ، اپنی اولاد کو قتل نہ کریں گی ،

اپنے ہاتھہ پاؤں کے آگے کوئی بہتان گھڑ کر نہ لائیں گی ، اور کسی معروف امر میں تمہاری نافرمانی نہ کریں گی ، تو ان سے بیعت لے لو اور انکے حق میں دعائے مغفرت کرو)

نئی نئی مسلمان ہونے والی عورتوں سے حلف لینے کا یہ عمل انکو کمتر سمجھنے کے مترادف کیسے ہوسکتا ہے جب کہ مدینے میں پہلے ہی سے موجود مسلمان عورتوں سے یہ حلف نہیں لیا گیا؟ یہ عمل بالکل اسی طرح ہے جس طرح کسی ملک میں غیر ملکیوں سے انکو شہری بنانے کے لیے حلف لیا جاتا ہے اور جو ملک کے بنیادی باشندے ہیں ان سے حلف نہیں لیا جاتا ۔ کیا حلف لینےسے حلف لینےوالے کی ذلت ہوتی ہے اور وہ دوسرے شہریوں سے کمتر ہوجاتا ہے ؟ اسکے برعکس مردوں میں چونکہ اس قسم کی کمزوریاں نہ صرف یہ کہ عام نہیں تھیں بلکہ جاہلی معاشرے مں بھی مردوں میں ان خرابیوں کا پایا جانا برا اور قابل نفرت سمجھا جاتا تھا اسی لیے اسکی ضرورت محسوس نہیں کی گئی کہ مردوں سے بھی ان اخلاقی برائیوں کو ترک کرنے کا حلف لیا جائے ۔

(ب) عورت کی مختلف حیثیتیں: جہاں دنیا میں مرد مختلف حیثیتوں اور کردار میں ہمارے سامنے آتا ہے وہیں عورت بھی مختلف حیثیتوں اور کردار میں ہمارے سامنے آتی ہے ۔ ہم یہاں اسکا مطالعہ کریں گے کہ قرآن اسکی مختلف حیثیتوں اور کردار کو کس طرح ہمارے سامنے پیش کرتا ہے ۔ قرآن نے مرد کے مقابلے میں عورت کو معاشرے میں ایک بہتر اور غیرمعمولی مقام عطا کیا ہے ۔ قرآن کے طرز کلام سے انسان یہ بات آسانی سے محسوس کرسکتا ہے کہ فطرت چاہتی ہے کہ عورت کومخدوم اور محبوب کا درجہ دیا جائے ، اسکا اکرام کیا جائے اور اسکی قدر کی جائے ۔اورایسا کیوں نہ کیا جائے جب کہ بقول علامہ اقبال:

وجود زن سے ہے تصویر کائنات میں رنگ
اسی کے ساز سے ہے زندگی کا سوز دروں

اوراس لیے بھی کہ جو کام صرف عورت کرسکتی ہے اور کررہی ہے وہ مرد کسی طرح بھی انجام نہیں دے سکتا یعنی انسان کی افزائش نسل ۔ اسی بات کو قرآن اس طرح ہمارے سامنے رکھتا ہے:

وَلَيسَ الذَّكَرُ كَالأُنثىٰ ۖ(آلِ عمران ۳: ۳٦)
(اور لڑکا لڑکی کی طرح نہیں ہوتا)

چنانچہ اللہ نے اسکا انتظام کیا کہ عورت کو اسکی اس خدمت کے عوض اسکا رزق بغیر اسکی کسی جسمانی محنت کے مہیا کیا جائے ۔ اللہ نے جب حضرت مریم کے بطن میں حمل ٹھہرایا تو انکوکھجور کے ایسے درخت کے پاس پہنچادیا جس سے کھانے کے لیے انکو تروتازہ کھجوریں ملیں اور انکے پیروں کے نیچے پانی کی نہر بہادی تاکہ پانی پی سکیں:

فَنَادَاهَا مِن تَحتِهَآ أَلاَّ تَحْزَنِى قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيًّا ○ وَهُزِّىٓ إِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسَاقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا ○فَكُلِى وَاشْرَبِى وَقَرِّى عَيْنًا ۖ (مریم ۱۹: ۲٤-۲٦)
(فرشتے نے پائنتی سے اسکو پکار کر کہا " غم نہ کر تیرے رب نے تیرے نیچے ایک چشمہ رواں کودیا ہے ۔ اور تو ذرا اس درخت کے تنے کو ہلا تیرے اوپر تروتازہ کھجوریں ٹپک پڑیں گی ۔ پس تو کھا اور پی اور اپنی آنکھیں ٹھنڈی کر")

اسی طرح ہم دیکھتے ہیں کہ جب حضرت زکریا علیہ السلام نے حضرت مریم کے حجرے میں انکی عبادت کے دوران انکا رزق موجود پایا تو ان سے پوچھا کہ آخر اس گوشہ تنہائی میں انکو وہ کہاں سے ملا؟:

قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللهِ ۖ إِنَّ اللهَ يَرْزُقُ مَن يَشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ○ (آلِ عمران ۳: ۳۷)
(وہ جواب دیتی یہ اللہ کے پاس سے آیا ہے ۔ اللہ جسے چاہتا ہے بے حساب رزق دیتا ہے)

اس طرح قرآن نے عورت کو اپنا رزق کمانے کی زحمت سے مبرا کردیا اور اب یہ ذمہ داری قرآن نے مرد کے سپرد کی ہے کہ وہ عورت کو اسکا رزق مہیا کرے ۔ یہی بات قرآن نے اس طرح کہی ہے:

وَبِمَآ أنفقُوا مِنْ أَمْوَالِهِمْ ۚ (النِّسَآء ٤: ٣٤)
(اور اس بنا پر کہ مرد اپنے مال خرچ کرتے ہیں)

اور یہ تو عین انصاف ہے اور یہ عورت کا حق ہے ۔ یہ کہاں کا انصاف ہے کہ ایک طرف عورت نو ماہ تک حمل کی زحمت سے درچار رہے ، ولادت کے دوران کی تکلیف بھی برداشت کرے ، بچے کودودھ بھی پلائے ، اسکی نگھداشت اور تعلیم و تربیت بھی کرے اور پھر آزادی و مساوات کا بہلاوہ دیکر اسکو کام و مشقت کے اس میدان میں بھی کھینچ لایا جائے جو کلیتا" مرد کی ذمہ داری کا ہے؟ یہ تو دراصل عورت کو سبھا کی پری بنانے ، زیادہ سے زیادہ دولت حاصل کرنے اور حد سے زیادہ معیار زندگی بلند کرنے کا جنون ہے جسنے مرد کو اسپر اکسایا ہے کہ وہ عورت سے دوگنا بیگار لے ۔ کیا مرد عورت کو تولیدگی اور رضاعت کی ذمےداریوں سے آزادی دلا سکتا ہے؟ اگر نہیں تو پھر یہ کس آزادی کی بات کرتا ہے؟ یا کیا مرد خود بھی عورت کے ساتھہ ساتھہ تولیدگی اور رضاعت کی ذمےداریوں کو اداکرسکتا ہے؟ اگر نہیں تو پھر یہ کس مساوات کی بات کرتا ہے؟ ھم دیکھتے ہیں کہ اخلاق اور تمدن سے مبرا آزادی اور مساوات کی ظاہری چمک و دمک سے مرد نے بھولی بھالی عورت کی آنکھوں کو ایسا چوندھیا دیا ہے کہ وہ دوھری تکلیف اٹھارہی ہے مگرمرد کی لچھے دار اور پیچیدہ باتوں کے مقابلے میں اپنا دفاع نہیں کرپارہی ہے۔ غالبا" اسکی اسی کمزوری کا تذکرہ قرآن نے کیا ہے جب یہ کہا:

أوَمَن يُنَشَّؤُا فِی الْحِلْيَةِ وَهُوَ فِی الخِصَامِ غيرُ مُبِينٍ ○ (الزخرف ٤٣: ١٨)
(اور جو زیوروں میں پالی جاتی ہے اور بحث و حجت میں اپنا مدعا پوری طرح واضح بھی نہیں کرسکتی)

قرآن نے عورتوں کو معاشرے میں اعلی مقام عطا کرنے اور انکے حقوق کا تعین کرنے کے لیے حرمت کے لحاظ سے انکو دو مختلف گروہوں ١۔ محرمات اور ٢ – غیر محرمات میں تقسیم کیا ہے ۔ محرمات کی تفصیل قرآن کچھہ اس طرح ھمارے سامنے رکھتا ہے:

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ وَأَخوَاتُكُمْ وَ عَمَّاتُكُمْ وَ خَالَتُكُمْ وَبَنَاتُ الاَخِ وَ بَنَاتُ الأُخْتِ وَ أُمَهَاتُكُمْ الّتِیٓ أَرْضَعْنَكُمْ وَ أَخوَاتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ وَ أُمَّهَاتُ نِسَآئِكُمْ وَرَبَآئِبُكُمْ الّتِیْ فِیْ حُجُوْرِكُمْ مِّن نِّسَآئِكُمُ الّتِیْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ ۚ فَإِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلاَ جُنَاحَ عَلَيْكُمْ ۚ وَحَلاَئِلُ أَبْنَآئِكُمْ الَّذِينَ مِنْ أَصلاَبِكُمْ وَ أَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الأُخْتَيْنِ إِلاَّ مَا قَدْ سَلَفَ ۚ (النسآء ٤:٢٣)
(تم پر حرام کی گئیں تمہاری مائیں ، بیٹیاں ، بہنیں ، پھوپھیاں ، خالائیں ، بھتیجیاں ، بھانجیاں ، اور تمہاری وہ مائیں جنھوں نے تم کو دودھ پلایا ہو ، اور تمہاری دودھ شریک بہنیں ، اور تمہاری بیویوں کی مائیں ، اور تمہاری بیویوں کی لڑکیاں جنھوں نے تمہاری گودوں میں پرورش پائی ہے، لیکن جن بیویوں سے تعلق زن و شو قائم نہیں ہوا انکی لڑکیوں سے نکاح میں کوئی حرج نہیں ، اور تمہارے ان بیٹوں کی بیویاں جو تمہارے صلب سے ہوں ۔ اور یہ بھی تم پر حرام کیا گیا ہے کہ ایک ساتھہ دو بہنیں نکاح میں ہوں مگر جو پہلے ہو گیا سو ہو گیا) (مزید دیکھیے النور ٣١ **اور الاحزاب آیت ٥٥**)

اس فہرست میں جو عورتیں شامل ہیں ان سے کسی صورت بھی ازدواجی تعلقات قائم نہیں کیے جا سکتے ۔ انکو بھی ھم ان تین ذیلی گروہوں میں تقسیم کرسکتے ہیں: ١۔ ماں (بشمول دادی ، نانی ،سوتیلی و رضاعی مائیں ، پھوپھی ، خالہ اور ساس) ، ٢۔ بیٹی (بشمول بھتیجی ، بھانجی ، بہو ، سوتیلی و رضاعی بیٹیاں) ، ٣۔ بہن (بشمول سوتیلی اور رضاعی بہنیں) ۔ انکے علاوہ بقیہ ساری عورتیں غیر محرمات میں شامل ہیں اور ان سے قرآنی ھدایات کے مطابق حسب ضرورت ازدواجی تعلقات قائم کیے جا سکتے ہیں ۔

انسانی معاشرے میں قرآن نے ماں اور باپ کے مراتب سب سے اعلی رکھے ہیں ۔ ہر دوسرے انسان کے مقابلے میں انکی اطاعت اور انکے ساتھہ حسن سلوک سب سے زیادہ ہونا چاہیے ۔ اللہ نے انسان کو حکم دیا ہے کہ وہ ماں اورباپ کے ساتھہ حسن سلوک کرے:

وَوَصَّيْنَا الإِنسَانَ بِوَالِدَيْهِ إِحْسَانًا ؕ (الاحقاف ٤٦: ١٥)
(ھم نے انسان کو ھدایت کی کہ وہ اپنے والدین کے ساتھہ نیک برتاؤ کرے) (مزید دیکھیے النسآء ٣٦ اور لقمان ١٤)

باپ کے مقابلے میں ماں کے ساتھہ تین گنا حسن سلوک کیا جائے (ابوھریرہ ۔ متفق علیہ) ۔ اور ایسا کیوں نہ کیا جائے جبکہ ماں ھمارے لیے تین مختلف قسم کی تکالیف برداشت کرتی ہے ۔ اسی آیت میں آگے ھمارے اندر ماں کے لیے محبت اور اطاعت کا جذبہ ابھارنے کی خاطر قرآن ھمیں ماں کی وہ تین تکالیف اور احسانات بتاتا ہے جو اس نے حمل اورھماری پیدائش اور پرورش میں جھیلی ہیں:

حَمَلَتْهُ أُمُّهُ كُرْهًا وَ وَضَعَتْهُ كُرْهًا ۖ وَحَمْلُهُ وَ فِصَـٰلُهُ ثَلَـٰثُونَ شَهْرًا ۚ
(اسکی ماں نے مشقت اٹھاکر اسے پیٹ میں رکھا اور مشقت اٹھاکر ہی اسکو جنا ، اورحمل اور دودھ چھڑانے میں تیس مہینے لگ گئے)

چنانچہ قرآن نے ماں کا یہ حق قرار دیا ہے کہ بچے کا باپ یا سرپرست ماں کو حق رضاعت ادا کرے:

فَإِنْ أَرْضَعْنَ لَكُمْ فَـَٔاتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ ۖ وَأْتَمِرُوا بَيْنَكُم بِمَعْرُوفٍ ۖ وَإِن تَعَاسَرْتُمْ فَسَتُرْضِعُ لَهُۥٓ أُخْرَىٰ (الطلاق ٦٥: ٦)
(پھر اگر وہ تمہارے لیے بچے کو دودھ پلائیں تو انکی اجرت انھیں دو ۔ اور بھلے طویقے سے اجرت کو باھم گفت و شنید سے طے کرلو ۔ لیکن اگر تم نے اجرت طے کرنے میں ایک دوسرے کو تنگ کیا تو بچے کو کوئی اور عورت دودھ پلالے گی) (مزید دیکھیے البقرہ ٢٣٣)

قرآن نے اس دوسری عورت کو بھی جو معاوضہ لیکر کسی دوسری عورت کے بچے کو دودھ پلاتی ہے ایک ماں کا بلند اور باوقار مقام عطا کیا ہے ۔ ھم دیکھہ چکے ہیں کہ قرآن نے دودھ پینے والے بچے کا دودھ پلانے والی عورت کے ساتھہ حرمت کا رشتہ قائم کیا ہے ۔ صرف یہی نہیں بلکہ سارے دودھ شریک بچوں کے ساتھہ بھی حرمت کا رشتہ قائم کردیا ہے ۔ آج جب بعد از خرابی بسیار مغربی لادینی تہذیب نے ماں کے دودھ کی اہمیت کو بالآخر تسلیم کر لیا ہے تو بجائے اسکے کہ عورت کو انسانی معاشرے میں اسکو ماں جیسا اصلی واجب الاحترام مقام دیا جاتا اس تہذیب نے عورت کو گائے و بکری کی صف میں کھڑا کردیا ہے اور عورت کے دودھ کو جمع اور محفوظ کرکے "مدرز ملک" کے لیبل کے ساتھہ فروخت کرنا شروع کردیا ہے ۔ عورت کی اس سے بڑی تذلیل و تحقیر اورکیا ہوسکتی ہے؟ ع
تفو برتو اے چرخ گردوں تفو

نا معلوم کتنے بچوں نے کتنی عورتوں کا دودھ پیا ہوگا ۔ یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس لادینی تہذیب میں رضائی حرمت کا کوئی تصور نہیں ۔ مگرکیا طبی طور پر یہ خطرہ حقیقی نہیں کہ ایسے دودھ شریک بھائی اور بہنوں میں جنسی تعلقات قائم ہونے کے نتیجے میں مہلک بیماریوں اور خوفناک صورت حال کے شکار بچوں کی پیدائش معاشرے کو گھیر لے؟ ڈاکٹر اقبال نے ٹھیک ہی تو کہا تھا کہ:
اٹھا کر پھینک دو باہر گلی میں
نئی تہذیب کے انڈے ہیں گندے

قرآن نےماں کو اپنے بچے پر یہ حق بھی دیا ہے کہ وہ اپنے بچے کو دین کی خدمت کے لیے لگا دے:

إِذْ قَالَتِ امْرَأَتُ عِمْرَانَ رَبِّ إِنِّى نَذَرْتُ لَكَ مَا فِى بَطْنِى مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّىٓ ۖ (آلِ عمران ٣: ٣٥)
(جب عمران کی عورت کہہ رہی تھی کہ " میرے پروردگار ، میں اس بچے کو جو میرے پیٹ میں ہے تیری نذر کرتی ہوں ، وہ تیرے ہی کام کے لیے وقف ہوگا ، میری اس پیش کش کو قبول فرما)

قرآن نےماں کو اپنے بچے کی میراث میں بھی حق دیا ہے (دیکھیے سورة النسآء آیات ١١ تا ١٤)
ان تمام باتوں کے باوجود قرآن کی ھدایت ہے کہ اگر والدین الله کے ساتھہ شرک کا حکم دیں تو اس میں انکی اطاعت نہ کی جائے لیکن ان کے ساتھہ حسن سلوک جاری رکھا جائے:

وَ إِن جَاهَدَاكَ عَلَىٰٓ أَن تُشْرِكَ بِى مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلاَ تُطِعْهُمَا ۖ وَ صَاحِبْهُمَا فِى الدُّنْيَا مَعْرُوفًا ۖ (لقمان ۳۱: ۱۵)
(اگر تجھہ پر وہ دباؤ ڈالیں کہ میرے ساتھہ تو کسی ایسے کو شریک کرے جسے تو نہیں جانتا تو انکی بات ہرگز نہ مان ۔ دنیا میں انکے ساتھہ نیک برتاؤ کرتا رہ)

محرمات میں ماں کے علاوہ عورت ھمارے سامنے بہن ، بیٹی، بھتیجی اور بھانجی کے روپ میں بھی آتی ہے ۔ انکے حقوق یہ ہیں کہ انکو بوجھہ نہ سمجھا جائے ۔ اسکے برعکس انکی پرورش کی جائے اور انکی شادی کردی جائے تاکہ وہ معاشرے میں اپنے مقاصد حیات کو باعزت ادا کرسکیں ۔ جب قرآن یتیم لڑکیوں کی شادی کردینےکی ذمہ داری ڈالتا ہے:

وَ إِنْ خِفْتُمْ أَلاَّ تُقْسِطُوْا فِى الْيَتَامَىٰ فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنَى وَ ثُلَاثَ وَ رُبَاعَ ۚ (النِّسَآء ٤: ۳)
(اور اگر تمکو اندیشہ ہو کہ یتیموں کے ساتھہ انصاف نہ کرسکوگے تو جو عورتیں تم کو پسند آئیں ان میں سے دو دو ، تین تین ، چار چار سے نکاح کرلو) (مزید دیکھیے النسآء ۱۲۷)

تو کیا اس حکم میں یہ بات پوشیدہ نہیں کہ لوگ اپنی بیٹیوں کی شادی کرنے کی ذمہ داری تو ادا کرتے ہی ہیں ۔ رہی یہ بات کہ ایک مرد دو دو ، تین تین ، اور چار چار شادیاں کرسکتا ہے تو دراصل یہ حکم اس لیے نہیں ہے کہ مرد لازماً" ایک سے زائد بیوی رکھیں بلکہ ایک پابندی عائد کی جارہی ہے کہ بیک وقت اس سے زیادہ بیویاں نہ رکھی جائیں ۔ یہاں اس حکم کی اہمیت اور ضرورت کو جاننے کی لیے چند باتوں کا سمجھنا ضروری ہے ۔ پہلی بات یہ ہے کہ اس وقت کے معاشرے میں بیک وقت کئی کئی بیویاں رکھنے کا رواج عام تھا ۔ قرآن نے اس حکم سے ایک وقت میں بیویوں کی زیادہ سے زیادہ تعداد صرف چار تک محدود کردی ہے ۔ دوسری بات یہ ہے کہ تعدد ازدواج کی یہ اجازت حالات کے تابع ہے ، جیسا کہ ہم اس آیت میں دیکھتے ہیں کہ جنگ کی صورت حال کے تحت بچے یتیم اور عورتیں بیوہ ہوتی ہیں اور اسکی ضرورت پیدا ہوجاتی ہے کہ کوئی مرد نہ صرف یہ کہ انکی مالی ، جسمانی اور ذہنی بلکہ جنسی ضروریات بھی پوری کرنے کی ذمے داریاں سنبھالے ۔ یہ بات بھی ذھن نشین ہونی چاہیے کہ جنگ کے نتیجے میں بےشمار مرد مارے جاتے ہیں اور جنگیں تو مسلسل ہوتی ہی رہتی ہیں ۔ اس طرح معاشرے میں مردوں کی تعداد عورتوں سے کم ہوتی رہتی ہے ۔ آج کے یورپ اور امریکا پر نظر ڈالیے جو مستقلاً" اپنی قوموں کو کسی نہ کسی جنگ میں مبتلا رکھتے ہیں وہاں کی مردم شماریوں کے مطابق مردوں کے مقابلے میں عورتوں کی تعداد کئی کئی ملینز (لاکھوں) میں زیادہ ہیں ۔ صرف ریاستہائے متحدہ امریکا کی سنہ ۲۰۰۰ عیسوی کی مردم شماری کے مطابق وہاں مردوں کے مقابلے میں عورتوں کی تعداد لاکھوں میں زیادہ ہے ۔ ان ممالک میں ہرایک عورت کے لیے ایک مرد موجود نہیں ہے ۔ ہر انسان کو کھانے اور پانی کی طرح جنس کی بھی بھوک لگتی ہے ۔ جنسی بھوک کو مطمئن کرنا ایک بنیادی انسانی حق ہے ۔ اب زائد عورتیں اپنی یہ جنسی بھوک کس طرح پورا کریں؟
اسکے دو ہی حل ہیں ۔ ایک طریقہ یہ ہے کہ ہر زائد عورت آزاد چھوڑ دی جائے کہ وہ اپنی جسمانی بھوک کو مٹانے کے لیے محنت اور مزدوری کرے اور جنسی بھوک کو آزادانہ جس مرد سے چاہے پوری کرلے اور ہر دو عمل کے نتیجے میں ہونے والے اثرات سے خود ہی نپٹتی رہے ۔ مغربی تہذیب نے اسی حل کو اختیار کیا ہوا ہے ۔ دوسرا حل یہ ہے کہ بوقت ضرورت شادی شدہ مرد ایک سے زائد مگر محدود تعداد میں بیویاں رکھیں بشرطے کہ انکے درمیان انکی ضروریات کو انصاف کے ساتھہ تقسیم کریں ورنہ پھر ایک ہی پر اکتفا کریں :

فَإِنْ خِفْتُمْ أَلاَّ تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً (النِّسَآء ٤: ۳)
(اور اگر تمکو اندیشہ ہو کہ انکے ساتھہ انصاف نہ کرسکوگے تو پھر ایک ہی بیوی کرو)

اس طرح زائد عورتوں کی جسمانی اور جنسی بھوک کی تسکین کی ذمے داریاں بھی معاشرہ مردوں پر ڈالتا ہے ۔ قرآن نے اسی دوسرے حل کی تلقین کی ہے اور یہی فطری حل ہے ۔ کیا ھم دیکھتے نہیں ہیں کہ جہاں جہاں تعدد ازدواج کا نظام قائم ہے وہاں عورتیں خود پہلی بیویوں کے موجود ہوتے ہوئے برضا و رغبت دوسری اور تیسری بیویاں بننے پرتیار ہوجاتی ہیں؟ دراصل یہ عورتیں مجرد زندگی گزارنے کے مقابلے میں کسی ایک مرد کا ساتھہ اور سہارا لینے کو اسکے باوجود کہ وہ مرد پہلے ہی کوئی بیوی رکھتا ہے ترجیح دیتی ہیں ۔ ایسے واقعات شاذ نہیں ہیں بلکہ پوری دنیا میں کثرت سے ظہور میں آتے ہیں ۔ دنیائے اسلام اور

زیرصحارا افریقا میں تو اسپرعمل ہوہی رہا ہے خود مغربی دنیا میں باوجود اسکے کہ تعدد ازدواج کو بزور قوت اور قانون ختم کیا گیا ہے کسی نہ کسی طور پر اس پر عمل ہورہا ہے۔ اور اس پر عمل کرنے والوں میں ایوانجے لیکل عیسائی (Evangelical Christians) بھی شامل ہیں ۔ دیکھیے:
[6]. *USA Today*, Polygamy in the USA, Tuesday, May 9, 2006, p. 2D

کچھہ لوگ یہ سوال اٹھاتے ہیں کہ یورپ اور امریکا کے علاوہ دوسرے ممالک بھی ہیں جہاں مرد تعداد میں عورتوں سے زیادہ ہیں تو وہاں عورتوں کو اسکی اجازت کیوں نہ دی جائے کہ وہ بیک وقت ایک سے زیادہ مردوں سے شادی کرسکیں؟ دراصل یہ سوال محض ایک اعتراض برائے اعتراض ہے ۔ اور یہ وہی لوگ کرتے ہیں جو مرد اور عورت کی نفسیات سے یا توواقف نہیں یا پھر ان دونوں کی فطری مقاصد تخلیق (اسکا مطالعہ ہم آگے چل کر کریں گے) کو ماننے پر آمادہ نہیں ۔ اول تو یہ اعتراض اتنا مضحکہ خیز ہے کہ اسکے جواب کی ضرورت ہی نہیں ۔ کیا یہ لوگ یہ نہیں جانتے کہ اول تو مرد کو اسکی اپنی جسمانی ضروریات کی فراہمی کے لیے کسی دوسرے کے سہارے کی ضرورت نہیں ۔ دوم یہ کہ مرد جنسی بھوک کی ماری کسی عورت کے ناگہانی حملے سے اپنا بچاؤ بخوبی کرسکتا ہے ؟ اس بات کو سمجھنے کے لیے حضرت یوسف اور عزیز مصر کی بیوی کے واقعے پر نظر ڈالنا کافی ہے ۔ ایک اور بات یہ ہے کہ عورت فطرتا" یک زوجی ہے (monogamous) ہے اور صرف ایک ہی مرد کا ساتھہ چاہتی ہے اور اسی سے محبت کرتی ہے جبکہ اسکے برعکس مرد فطرتا" کثیرزوجتی (polygamous) واقع ہوا ہے اور بیک وقت کئی کئی عورتوں کے ساتھہ نباہ کرنے کا جذبہ اور صلاحیت رکھتا ہے ۔ دیکھیے:
[7]. Gina Kolata, The Myth, The Math, The Sex, *New York Times*, Week in Review, Sunday, August 12, 2007, p.1

دوسری بات یہ ہے کہ مرد فطرتا" جارح ، عامل اور غالب ہوتا ہے جبکہ عورت معمول اور مغلوب ہوتی ہے ۔ اگر بیک وقت اسکے کئی شوہر ہوں تو زندگی اسکے لیے ایک عذاب بنکر رہ جائے گی ۔ وہ کس طرح اپنے شوہروں کی مختلف اور متضاد خواہشات اور مطالبات کو پورا کرسکے گی جبکہ قوت اور وسائل میں وہ ان سے کم تر ہے ۔
بیٹیوں کی پرورش کیسی ہونی چاہیے اور معاشرے میں بیٹی اور بہن کا کیا کردار ہونا چاہیے؟ اسکے لیے قرآن همارے سامنے دو مثالیں رکھتا ہے ۔ حضرت موسیٰ کی بہن کا کردار اس طرح همارے سامنے آتا ہے کہ وہ اپنے بھائی کی زندگی بچانے کی خاطر بے خوف و خطر آگے بڑھتی ہے:

إِذْ تَمْشِيٓ أُخْتُكَ فَتَقُولُ هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلَىٰ مَن يَكْفُلُهُ ۖ (طٰہ ۲۰: ۴۰)
(جب تیری بہن چل رہی تھی پھر جاکر کہتی ہے " میں تمہیں اسکا پتا بتادوں جو اس بچے کی پرورش اچھی طرح کرے") (مزید دیکھیے القصص ۱۲-۱۱)

دوسری مثال حضرت شعیب علیہ السلام کی بیٹیوں کی ہے ۔ وہ بھی پانی کے لیے کنویں پر آتی ہیں ۔ انکی آمد کا مقصد بھی وہی ہی جو مردوں کا ہے ۔ مگر وہ مردوں کے مجمع میں گھس کر پانی لینے کی کوشش نہیں کرتیں بلکہ اپنی شناخت ، عزت نفس ، وقار اور جسم کی حفاظت کی خاطر مردوں سے علیحدہ رہ کر پانی کے لیے مناسب وقت کا انتظار کرتی ہیں:

وَوَجَدَ مِن دُونِهِمُ امْرَأَتَيْنِ تَذُودَانِ ۖ (القصص ۲۸: ۲۳)
(اس نے دیکھا کہ لوگوں سے الگ ایک طرف دوعورتیں اپنے جانوروں کو روک رہی ہیں)

حضرت موسیٰ جب انکو اس حالت میں دیکھتے ہیں توصورت حال سمجھہ کر بغیر کسی اجر و معاوضے کی امید پر ان لڑکیوں کا کام کردیتے ہیں ۔ قرآن اگرچہ حضرت موسیٰ کے اس عمل کو فرض قرار نہیں دیتا مگر مردوں کے لیے بطور نمونہ پیش تو کرتا ہے ۔ پھر انہیں لڑکیوں میں سے ایک لڑکی جب اپنے باپ کا پیغام لیکر آتی ہے اور ایک غیر محرم سے بات کرتی ہے تو اپنے اس عمل کوشرم و حیاء کے پورے تقاضوں کے ساتھہ انجام دیتی ہے:

فَجَآءَ تْهُ إِحْدَاهُمَا تَمْشِى عَلَى اسْتِحْيَآءٍ قَالَتْ إِنَّ أَبِى يَدْعُوكَ لِيَجْزِيَكَ أَجْرَمَا سَقَيْتَ لَنَا ۚ (القصص ۲۸: ۲۵)
(ان دونوں میں سے ایک شرم و حیا کے ساتھہ چلتی ہوئی اسکے پاس آئی اور کہنے لگی "میرے والد آپکو بلا رہے ہیں تا کہ آپ نے ہمارے لیے جانوروں کو پانی جو پلایا ہے اسکا اجر آپکو دیں")

دوسری طرف ان لڑکیوں کے والد لڑکیوں کی شادی کا فرض اس طرح ادا کرتے ہیں کہ وہ خود حضرت موسیٰ کو اپنے لڑکی کا رشتہ پیش کرتے ہیں اور اس میں قطعی کسی شرم یا جھجھک کا اظہار نہیں کرتے:

قَالَ إِنِّىٓ أُرِيدُ أَنْ أُنكِحَكَ إِحْدَى ابْنَتَىَّ هَاتَيْنِ عَلَىٰٓ أَن تَأْ جُرَنِى ثَمَانِىَ حِجَجٍ ۖ (القصص ۲۸: ۲۷)
(باپ نے کہا " میں چاہتا ہوں کہ اپنی ان دو بیٹیوں میں سے ایک کا نکاح تمہارے ساتھہ کردوں بشرطے کہ تم آٹھہ سال تک میرے ہاں ملازمت کرو)

کیا اس قصے سے لڑکیوں کا یہ حق اجاگر نہیں ہوتا کہ والدین خود آگے بڑھ کر انکے لیے رشتہ دیں یا رشتہ تلاش کریں نہ کہ بے جا شرم اور جھوٹی غیرت کے تحت رشتےآنے کے انتظار میں بیٹھہ کر لڑکیوں کو بوڑھی کردیں یا انکی بے راہ روی کا باعث بنیں؟ کیا حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے خود آگے بڑھکر اپنی بیٹی حضرت حفصہ رضی اللہ تعالی عنہا کا رشتہ دوسرے صحابہ کرام کو نہیں دیا؟ یہاں یہ بات بھی پیش نظر رہنی چاہیے کہ مہر کا تعین لڑکی کی نمائندگی کرتے ہوے لڑکی کا باپ کررہا ہے گویا یہ لڑکی کا حق ہے ۔
قرآن نے بیٹی کو اپنے والدین کی میراث میں بھی حق دیا ہے (دیکھیے النسآء آیات ۱۱ تا ۱٤)
یہ بات واضح رہے کہ حرمت کے ان رشتوں کی فہرست میں قرآن صلبی بیٹوں کی بیویوں کو تو شامل کرتا ہے مگر متبنی یا منہ بولے بیٹوں کی بیویوں کو شامل نہیں کرتا ۔ ایسی عورتوں سے انکے شوہرں کے انتقال یا طلاق کے بعد شادی کی جاسکتی ہے ۔ اللہ نے حضرت زینب کی حضرت زید سے طلاق کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے شادی کرنے کی یہی وجہ بتائی ہے:

فَلَمَّا قَضَىٰ زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنَـٰكَهَا لِكَىْ لَا يَكُونَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ حَرَجٌ فِىٓ أَزْوَاجِ أَدْعِيَآئِهِمْ إِذَا قَضَوْا۟ مِنْهُنَّ وَطَرًا ۚ (الاحزاب ۳۳: ۳۷)
(پھر جب زید اس سے اپنی حاجت پوری کرچکا تو ھم نے اسکا تم سے نکاح کردیا تا کہ منہ بولے بیٹوں کی بیویوں کے معاملے میں کوئی تنگی نہ رہے جبکہ وہ ان سے اپنی حاجت پوری کرچکے ہوں)

(جاری)